شبیر احمد خاں غوری

فارابی کے سیاسی افکار

(۵)

تصانیف

قدرت نے فارابی کو جدتِ فکر کے ساتھ ثروتِ فکر سے بھی نوازا تھا۔ اور وہ اسلامی ثقافت کے کثیر التصانیف مصنفوں میں سے ہے۔ ابن الندیم نے تو غالباً اس کی صرف انہیں تصانیف کے نام گنائے ہیں[1] جن کی غالباً شائقین اس زمانہ میں کتب فروشوں سے فرمائشیں کیا کرتے ہوں گے۔ چوتھی صدی کے اواخر میں شیخ بوعلی سینا نے امیر نوح بن منصور سامانی کے شاہی کتب خانہ میں فارابی کی متعدد تصانیف دیکھی تھیں جن کے نام بھی لوگوں نے نہیں سنے تھے[2]۔ اس واقعہ سے اس کی مصنفات کی کثرت کا اندازہ تو ہوتا ہے لیکن تفصیل معلوم نہیں ہوتی۔ اس نے فارابی کی صرف ایک کتاب کا نام لیا ہے یعنی "اغراض کتاب مابعد الطبیعہ" جس کی مدد سے اس نے ارسطو کی مابعد الطبیعیات کو سمجھا[3]۔ پانچویں صدی کے وسط میں قاضی صاعد اندلسی نے "طبقات الامم" میں اس کی مصنفات کی لفظی و معنوی خوبیوں پر تبصرہ کیا ہے اور اس ضمن میں چند کتابوں کے نام بھی لیے ہیں۔ مثلاً "احصاء العلوم"، "اغراض فلسفہ افلاطون و ارسطا طالیس"، "السیاسۃ المدنیہ" اور "السیرۃ الفاضلۃ"[4] چھٹی صدی میں ظہیر الدین بیہقی نے "تتمہ صوان الحکمہ" میں اس کی ان کتابوں کے نام دیے ہیں جو بالعموم خراسان میں متداول تھیں[5]۔

ساتویں صدی میں ابن القفطی نے "اخبار العلماء باخبار الحکماء"[6] میں اور ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء[7] میں فارابی کی تصانیف کی بڑی مبسوط فہرستیں دی ہیں۔ ان میں ابن ابی اصیبعہ کی فہرست

---

(۱) الفہرست لابن الندیم، ص ۳۶۸ (۲) تتمہ صوان الحکمہ ص ۳۴ سطر ۶-۷ (۳) طبقات الاطباء جلد ثانی، ص ۳-۴ (۴) طبقات الامم، ص ۸۴-۸۵ (۵) تتمہ صوان الحکمہ، ص ۲۰ (۶) اخبار العلماء باخبار الحکماء، ص ۱۸۲-۱۸۴ (۷) طبقات الاطباء جلد ثانی، ص ۱۳۸-۱۴۰

زیادہ مفصل ہے۔

ان تراجم و تذکرہ جات کی مدد سے عہد حاضر میں فارابی کے سوانح نویسوں نے اس کی مصنفات کی فہارس مرتب کی ہیں۔ اس قسم کی ایک فہرست مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے "حکمائے اسلام" حصہ اول (ص ۱۱۹-۱۲۳) میں دی ہے۔ اور ایک اور فہرست قدیم تذکروں نیز عہد حاضر کی مشہور لائبریریوں کی فہارس کی مدد سے عباس محمود عقاد نے اپنی تصنیف "الفارابی" میں دی ہے۔ مؤخر الذکر فہرست میں فارابی کی مصنفات کو مختلف عنوانوں کے تحت مرتب کیا گیا ہے نیز ان کتابوں کے مخطوطات کا جہاں پتہ چلا ہے اس کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔[۱]

مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم نے "حکمائے اسلام" میں فارابی کی ۱۱۳ کتابوں کے نام ثبت کیے ہیں۔ عباس محمود عقاد نے مختلف عنوانات کے تحت ۱۱۷ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

ان میں سے بہت سے رسائل شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۸۳۶ء میں شمولڈرس نے فارابی کے کچھ رسائل "رسائل فی الفلسفہ" کے نام سے بون میں شائع کیے۔ ۱۸۸۵ء میں آٹھویں اورینٹل کانگریس کی روداد کے ضمن میں ولندیزی مستشرق لانڈلے نے "المدخل الی صناعۃ الموسیقی" کے ایک جزو کو لنڈن سے شائع کیا۔ ۱۸۹۰ء میں فریڈرک ڈیٹریسی نے لنڈن، برلن اور لیڈن کے کتب خانوں میں فارابی کے جو رسالے دستیاب ہوئے انہیں لیڈن سے شائع کیا۔ ۱۸۹۵ء میں "آراء اہل المدینۃ الفاضلہ" کو ڈی ٹریسی نے لیڈن سے شائع کیا۔ مصر سے دو مرتبہ ۱۹۰۷ء اور ۱۹۰۹ء میں فارابی کے آٹھ رسالوں کا مجموعہ شائع ہوا۔ آراء اہل المدینۃ الفاضلہ بھی دو مرتبہ مصر سے شائع ہوئی۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد نے فارابی کے گیارہ رسالوں کا مجموعہ "رسائل الفارابی" کے نام سے شائع کیا ہے۔ ان میں بعض رسائل وہ ہیں جو اس سے پہلے مصر وغیرہ سے شائع ہو چکے ہیں۔ "احصاء العلوم" کو ڈاکٹر عثمان امین نے ۱۹۳۱ء میں مصر سے شائع کیا۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔ نوجوان مستشرق سی۔ ایم ڈنلپ نے اسلامک ریویو لنڈن میں فارابی کے بعض منطق کے رسائل کو شائع کیا ہے۔ چنانچہ رسالہ ۱۹۵۵ء میں "الفصول فی التوطئۃ فی المنطق" دسمبر ۱۹۵۵ء میں "ایساغوجی" ۱۹۵۵ء میں اور "کتاب قاطیغوریاس" ۱۹۵۸-۱۹۵۹ء میں شائع ہوئے ہیں۔

---

(۱) فارابی مترجمہ رئیس احمد جعفری ص ۸۹-۱۲۳

چونکہ اس مقالہ کا موضوع فارابی کے سیاسی افکار سے متعلق ہے اس لیے اس کے نقطۂ نظر سے اس کی سیاسی تصانیف اہم ہیں جن کی تفصیل فارابی کے سیاسی افکار کی تمہید میں آئے گی۔

فارابی کی زندگی کے دیگر واقعات کی طرح اس کی تصانیف کے بارے میں بھی خوش فہمیاں ہیں ان کی تصحیح ضروری ہے۔

یہ بات غلط ہے کہ فارابی نے تقریباً تمام علوم متداولہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ فارابی کثیر التصانیف مصنف تھا۔ کتب تاریخ وتراجم میں اس کی سو سے زیادہ کتابوں کے نام ملتے ہیں مگر یہ سب علوم حکمیہ سے متعلق ہیں۔ دیگر علوم متداولہ پر مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ پر اس نے خامہ فرسائی نہیں کی۔ وقت کا اہم ترین علم حدیث تھا اور اس شعبہ علم میں فارابی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ دوسرے اہم علوم فقہ و کلام اور نحو ولغت سے وہ واقف ضرور تھا جس کا اندازہ "احصاء العلوم" سے ہوتا ہے[1]۔ مگر اس نے ان موضوعوں پر کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ علم کلام کے بارے میں اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اس کی عزلت پسند زندگی نے اسے وقت کی اہم کلامی تحریکوں سے آشنا ہونے کا موقعہ نہیں دیا۔ اس باب میں بوعلی سینا کی کوششیں اس سے زیادہ عمیق تھیں۔ نحو میں بھی اس نے کوئی مستقل تصنیف مرتب نہیں کی صرف "احصاء العلوم" وغیرہ میں نحو اور منطق کے تقابل کے ضمن میں[2] اس نے نحو عربی سے واقفیت کا اظہار کیا ہے۔ علوم حکمیہ میں سے بھی بہت سے فنون مثلاً علم الاعداد، علم المناظر اور علم اثقال وغیرہ پر اس کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں[3] ملتا حالانکہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ وہ فنون ریاضیہ میں دستگاہ عالیہ رکھتا تھا[4]۔

یہ واقعہ ہے کہ بوعلی سینا نے صرف ابونصر فارابی کی "اغراض مابعد الطبیعہ" کی مدد سے ارسطو کی مابعد الطبیعیات کو سمجھا[5]۔ (اس کی تفصیل سابق میں مذکور ہو چکی ہے) امیر نوح بن منصور سامانی کے کتبخانہ میں شیخ نے فارابی کی کتابوں کو دیکھا اور استفادہ کیا[6]۔

فارابی نے ارسطو کی کتاب "اخلاقیات" پر کوئی تبصرہ نہیں لکھا بلکہ اس کے مقدمات[7] کی شرح لکھی تھی جس کا نام ابن ابی اصیبعہ نے "شرح صدر کتاب الاخلاق لارسطاطالیس" بتاتا ہے۔

---

(۱) احصاء العلوم ص ۱۰۷، ۱۱۱ و ۴۵-۵۲ (۲) ایضاً ص ۳-۴ (۳) فارابی مترجمہ رئیس احمد جعفری ص ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۶
(۴) طبقات الاطباء جلد ثانی ص ۱۳۴، ص ۱۰۵؛ (۵) ایضاً ص ۲-۴ (۶) تتمہ صوان الحکمہ ص ۳۴ (۷) طبقات الاطباء جلد ثانی، ص ۱۳۸ (۳) ۲۹ ابن الندیم اس کا نام "کتاب تفسیر قطعہ من کتاب الاخلاق لارسطاطالیس" بتاتا ہے۔

فارابی کی منطق پر شہرۂ آفاق کتاب "شرح ایساغوجی" نہیں ہے جو کہ مبتدیوں کے پڑھنے کی کتاب ہے۔ اگرچہ خود اس نے فرفوریوس کی ایساغوجی کی ایک شرح لکھی تھی۔ (اسکوریال نمبر ۶۱۲) اس نے ایساغوجی کی (PARAPHRASE) بھی تیار کی تھی جس کا حوالہ ابن باجہ نے اپنی منطق کی کتاب میں دیا ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ حمیدیہ استانبول میں موجود ہے (نمبر ۸۱۲) جس کی مدد سے ڈنلپ نے اسلامک ریویو جلد سوم شمارہ ۲ میں شائع کر دیا ہے (ص ۱۱۸-۱۲۷) غالباً اس کا دوسرا نام "املا فی معانی ایساغوجی" ہے۔ بہرحال "شرح ایساغوجی" فارابی کی منطقی عبقریت کا شاہکار نہیں ہے۔ اس کا منطقی شاہکار "شرح کتاب البرہان" ہے جو اس نے بقول ابن ابی اصیبعہ اپنے عزیز ترین شاگرد ابراہیم بن عدی کو حلب میں املا کرائی تھی۔[1] خود فارابی لکھتا ہے کہ منطق کی کتب ثمانیہ میں سب سے اشرف کتاب البرہان ہے۔

"والرابع فیہ القوانین التی تمتحن بہا الاقاویل البرہانیۃ ..... وھو بالعربیۃ کتاب البرہان .... والجزء الرابع ھو اشدھا تقدمًا بالشرف والریاسۃ والمنطق انما التمس بہ علی القصد الاول الجزء الرابع وباقی اجزائہ انما عمل لاجل الرابع"[2]

شرح کتاب البرہان کے بجائے شرح ایساغوجی کا ذکر عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔

"کیمیائے تالش" فارابی کی مصنفات میں نہیں ہے نہ کسی کتب خانہ کی فہرست میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ کیمیا پر فارابی نے ایک کتاب ضرور لکھی تھی جس کا نام ابن ابی اصیبعہ نے "مقالہ فی وجوب صناعۃ الکیمیا والرد علی مبطلیہا" بتایا ہے[3]۔ اس کا ایک نسخہ لیڈن میں موجود ہے۔

اقلیدس پر فارابی کے تبصرہ کا نام معلوم نہ ہو سکا جس نے اہل یورپ سے خراج تحسین حاصل کیا ہے البتہ ابن ابی اصیبعہ نے اس کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جس کا نام "کلام لہ فی شرح المستغلق من مصادرۃ المقالۃ الاولیٰ والخامسۃ من اقلیدس"[4]۔ اس کی عربی اصل تو آج ناپید ہے مگر اس کا عبرانی ترجمہ میونک لائبریری میں ہنوز موجود ہے (نمبر ۹۶) جسے اس کے یہودی عقیدت مندوں میں سے موسیٰ بن طبون نے ۱۲۷۰ء میں کیا تھا لیکن اقلیدسی ہندسہ کی تاریخ میں اسے کوئی شہرت نصیب نہیں ہوئی۔ اور نہ تو مسلمان مہندسین ہی نے اس کا کہیں حوالہ دیا ہے نہ یورپین ہندسہ دانوں نے کسی بھی ہندسی مسئلہ کے سلسلے میں اس کا ذکر کیا ہے۔

---

(۱) طبقات الاطباء، ص ۱۳۹ (س ۱۹-۲۰) (۲) احصاء العلوم، ص ۷۱-۷۲ (۳) طبقات الاطباء جلد ثانی، ص ۱۳۹ (س ۲۹) (۴) ایضاً، ص ۱۳۹، (س ۱۰-۱۱)

موسیقی میں فارابی نے کئی کتابیں لکھی تھیں۔ ان میں کتاب الموسیقی الکبیر فارابی نے وزیر ابو جعفر محمد بن القاسم الکرخی کے لیے لکھی تھی[1]۔ اس کتاب کا ایک نسخہ لیڈن میں ہے جس کا فرانسیسی ترجمہ حال ہی میں ہوا ہے۔

فارابی کی سیاسی تصانیف پر تبصرہ آگے آ رہا ہے۔ ان کے تعارف کے لیے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یونانی "علم السیاست" مسلمانوں میں کس طرح داخل ہوا کیونکہ فارابی کی سیاسیات تمام تر یونانی الاصل ہے۔

یونان کے سیاسی فکر کا مسلمانوں میں داخلہ

اس سلسلے میں کچھ کہنے سے پیشتر فلسفۂ سیاست (POLITICAL PHILOSOPHY) اور (ADMINISTRATION) میں تفریق کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مؤخر الذکر ہی کو مسلمانوں کی اصطلاح میں "سیاست" کہا جاتا ہے۔

اسلام میں "فلسفۂ سیاسیات" کے مسائل کی تنقیح کا آغاز سقیفۂ بنی ساعدہ سے ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل موجب تطویل ہوگی۔ یہ کام عموماً حضرات متکلمین نے انجام دیا اور اسلام کا فلسفۂ سیاسیات حقیقتاً انہیں حضرات کی کاوشِ فکر کا رہینِ منت ہے۔

اصولِ جہانبانی کے باب میں بھی خلفائے راشدین نے کتاب و سنت ہی کو اپنا معمول بہ بنایا لیکن ان کے بعد جب خلافت "ملک عضوض" میں تبدیل ہونے لگی اور بعد کے حکمرانوں نے ملوکیت کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے اور خلق خدا پر اپنی جھوٹی خدائی مسلط کرنے کے لیے اسلام کی دینی تعلیمات میں کوئی رہنمائی نہ پائی تو انہوں نے جبابرۂ روزگار پیشین کی طرف نظر اٹھائی اور انہیں کی پیروی کو اختیار کیا۔ خلافتِ راشدہ کی سادگی و مساوات شوکتِ ملوکانہ کے اظہار کے لیے قطعاً ناقابلِ تقلید تھی۔ چنانچہ طباطبائی نے خلفائے راشدین کی پرائیویٹ اور پبلک زندگی کے بارے میں لکھا ہے:

"فاما الخلافۃ الاربعۃ ..... فانہا کانت اشبہ بالمراتب الدینیۃ من المراتب الدنیویۃ فی جمیع الاشیاء"[2]

اور اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے دوران میں بدوی کے اعتراض اور آپ کے جواب کا قصۂ مشہورہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"وھذا السیر لیست من طرز ملوک الدنیا وھی بالنبوات والامور الاخرویۃ اشبہ"[3]

بہر حال خلافتِ راشدہ کے بعد ملوکیت اور اس کے ساتھ غیر اسلامی سیاست کا دور دورہ

---

(۱) طبقات الاطباء جلد ثانی ص ۱۳۹، سطر ۳-۴ (۲) الفخری للطباطبائی، ص ۲۳ (۳) ایضاً، ص ۲۳

دور شروع ہوا اور اس کا آغاز امیر معاویہ سے ہوا۔ سیوطی نے لکھا ہے:

قال المقبری تعجبون من دهاء هرقل وکسریٰ وتدعون معاویة[1]

اس غرض کے لیے، انھوں نے عبید بن شریہ کو یمن سے بلا کر ملوکِ ماضیہ کی تاریخ لکھوائی[1] اور اس طرح عربی ادب میں تاریخ کے فن کا آغاز ہوا۔

عرب کے قدیم بادشاہوں کے علاوہ یونان و روم اور ایران کے بادشاہوں کے رسوم جہانبانی بھی خلفاء و امراء میں مقبول ہونے لگے۔ اور چونکہ اموی خلفاء کا مستقر حکومت دمشق تھا جو اس سے پہلے یونانی و رومی روایات کا گہوارہ رہ چکا تھا، نیز ان کے عمال و کتاب بھی اکثر حالات میں رومی ہوتے تھے لہذا انتظام سلطنت کے باب میں یونانی و رومی سرمایہ عربی میں نقل ہونا شروع ہوا۔ اس موضوع پر قدیم ترین کتاب جس کا حوالہ تاریخ میں مذکور ہے وہ ارسطو کے خطوط ہیں جن کے متعلق مشہور تھا کہ اس نے سکندر کو لکھے تھے۔ ان کا عربی میں ترجمہ ہشام بن عبدالملک اموی (۱۰۵-۱۲۵ھ) کے کاتب ابوالعلا رسالم نے کیا تھا۔ ابن الندیم لکھتا ہے:

سالم ویکنی ابو العلا کاتب هشام بن عبد الملک .... وقد نقل من رسائل ارسطاطالیس الی الاسکندر[2]

دوسرا مشہور مصنف عبداللہ بن المقفع ہے۔ اس نے کتاب "آئین نامہ" کو پہلوی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ اور کتابیں بھی اس موضوع پر اس کی جانب منسوب ہیں مثلاً "الادب الصغیر" (جو غالباً اخلاقیات اور ساسانی سیاسیات پر دو پہلوی کتابوں کے آزاد ترجمے تھے) "الدرة الیتیمہ" اور "رسالہ الصحابہ" جو آداب حکمرانی اور فن جہانبانی پر اس کی مستقل تصانیف ہیں۔

یونانی فکر کا مسلمانوں میں داخلہ

اوپر ذکر آچکا ہے کہ سکندر کی وفات پر مصر کی حکومت بطلیموسی خاندان کے حصہ میں آئی۔ ان کی علم دوستی اور ہنر پروری نے یونان کے حکماء و فضلاء کو اسکندریہ کھینچ بلایا اور اس طرح یونانی ثقافت کا مرکز یونان خاص سے اسکندریہ میں منتقل ہو گیا۔ ۳۰ ق م میں قیصر آگسٹس نے آخری بطلیموسی ملکہ قلوپطرہ (CLEOPATRA) کو شکست دے کر مصر کو رومن سلطنت میں داخل کر لیا مگر اس سیاسی انقلاب سے اسکندریہ کی ثقافتی عظمت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ البتہ جب ۳۲۳ء میں قسطنطین اعظم نے

---

(۱) تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۳۳۔ (۲) الفہرست لابن الندیم، ص ۱۷۱

عیسائی مذہب اختیار کیا اور مسیحیت ملکی مذہب قرار پائی تو تنگ نظر پادریوں نے حکماء فلاسفہ کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ بت خانوں کے ساتھ ساتھ کتب خانے بھی تباہ و برباد کیے گئے اور فلسفہ و حکمت کی ترقی میں ہر قسم کی رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ مگر جلد ہی عیسائیوں کا یہ تعصب فرقہ وارانہ تنگ نظری میں بدل گیا۔ اور اس تعصب و تنگ نظری کے نتیجہ میں پہلے نسطوری اور پھر معقولی فرقہ ظہور میں آیا۔ ان میں نسطوری فرقہ نسبتاً معقولیت پسندی کی طرف زیادہ مائل تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ اپنی مذہبی تعلیمات کی تائید کے لیے ارسطاطالیسی فلسفہ و منطق سے کام لیتے تھے اور اس طرح ہر نسطوری مبلغ جس طرح عیسائیت کا مبشر تھا یونانی فلسفہ کا بھی معلم تھا۔

چونکہ نسطوری فرقہ رومن امپائر میں ملعون اور خارج از کلیسا قرار دیا گیا اس لیے وہ ایران میں پناہ گزین ہوا اور نصیبین میں اپنا مشہور مدرسہ قائم کیا۔ ان کے ساتھ اختلاط و امتزاج سے اہل ایران میں بھی یونانی فلسفہ و حکمت کی ترقی ہوئی۔ یوں بھی ایران قدیم زمانے سے یونانی ثقافت اور یونانی علوم کا دلدادہ تھا۔ مگر اس اختلاط و امتزاج سے یونانی علوم کی ایران میں نشر و اشاعت کو اور ترقی ملی۔ ادھر قیصر جسٹینیان نے ۵۲۹ء میں ایتھنز کے مدرسۂ فلسفہ کو بند کر دیا۔ اور آخری فلاسفہ دیمقراطیس اور اس کے ساتھی خسرو انوشیرواں کے دربار میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ نوشیرواں کو علم و حکمت کی نشر و ترقی سے یوں بھی شغف تھا۔ اس نے جندی سابور میں مشہور مدرسہ قائم کیا۔ جہاں ادبی و دینی علوم کے ساتھ فلسفہ اور طب کی بھی تعلیم ہوتی تھی۔ اس مدرسہ (جندی سابور) سے سب سے زیادہ فائدہ طبقۂ کتاب (دبیران) نے اٹھایا جو مختلف دفاتر حکومت میں کام کرتے تھے۔

اس طرح یونانی فلسفہ و حکمت کے تین گہوارے ہو گئے

(ا) اسکندریہ کا مدرسہ فلسفہ جو مسیحی تعصب کے باوجود پہلی صدی ہجری کے خاتمہ (حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد خلافت) تک فرائض درس و تدریس انجام دیتا رہا۔

(ب) نسطوری علما جو اپنی مذہبی تعلیم کے ساتھ یونانی فلسفہ کی بھی تعلیم دیتے تھے اور جو ساسانی حکومت کے عہد آخر میں جندی سابور کے مدرسہ پر بھی چھا گئے تھے۔

(ج) طبقۂ کتاب (دبیران) جو اپنی ادبی و مذہبی تعلیم کے علاوہ یونانی فلسفہ و حکمت سے بھی فی الجملہ آشنائی رکھتے تھے۔

بعثت اسلام کے بعد سب سے پہلے طبقۂ کتاب (دبیران) نے فلسفہ و حکمت سے اسلامی ثقافت کو روشناس کرایا۔ ملکی انتظام کے لیے ان کاتبوں کی ضرورت تھی۔ اس کے بعد جب دوسری صدی ہجری میں عباسی خلیفہ ہوئے تو انہوں نے علاج معالجہ کے لیے جندی سابور کے نسطوری اطبا کو بلا کر اپنے یہاں بار دیا۔ عباسی خلفاء کو شروع ہی سے علم و حکمت کی ترقی سے دلچسپی تھی اور انہوں نے قومی و مذہبی علوم کے علاوہ بیرونی علوم (علوم دخیلہ یا علوم الدوائل)

کو بھی عربی میں منتقل کرایا۔ اس کام کے لیے انہوں نے جندی سابور کے نسطوری اطبا اور حران کے صابئوں سے (جو یونانی علوم اور یونانی زبان سے واقف تھے) کام لیا۔ ادھر اسکندریہ کا مدرسہ فلسفہ بھی اپنی جگہ کچھ نہ کچھ کام کرتا رہا پہلے وہ انطاکیہ میں پھر وہاں سے حران میں اور آخر کار بغداد میں داخل ہوا۔[1] اس طرح فلسفہ و حکمت کے تینوں قدیم گھوارے اپنی جگہ کام کرتے رہے۔ (صرف ترتیب بدل گئی) اور فلسفہ کی دوسری شاخوں کی طرح سیاست و تدبیر مملکت کا فن بھی مسلمانوں میں تین راستوں سے داخل ہوا:

۱۔ کتّاب دو بیران (اہل دفاتر) کے ذریعے

۲۔ درباری فلاسفہ اور مترجمین کے ذریعے اور

۳۔ اسکندریہ کے مدرسہ فلسفہ کے معلمین اور تلامذہ کے ذریعے

طبقۂ کتّاب

مشاہیر کتّاب (اہلکاران دفاتر) جنہوں نے رسوم جہانبانی پر کتابیں تصنیف کیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ ابو العلاء سالم کاتب ہشام بن عبد الملک

۲۔ عبد اللہ بن المقفع

ان دونوں کی تصنیفات کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

۳۔ سہل بن ہارون: حکیم اور ادیب و شاعر تھا۔ مامون الرشید کی خدمت میں تقرب رکھتا تھا اور بقول ابن الندیم "بیت الحکمۃ" کا مہتمم تھا۔ "الفہرست" میں فن جہانبانی پر اس کی ایک کتاب کا نام مذکور ہے "کتاب تدبیر الملک والسیاسۃ"[2]

۴۔ ابو الفضل احمد بن ابی طاہر طیفور: خراسان کے قدیم امیر زادوں میں سے تھا۔ فن جہانبانی پر حسب تصریح ابن الندیم مندرجہ ذیل کتابوں کا مصنف تھا:

"کتاب خبر الملک العاقل فی تدبیر المملکۃ والسیاسۃ"

"کتاب الملک المصلح والوزیر المعین"

"کتاب الملک البابلی والملک المصری الباغیین والملک الحکیم الرومی"

"کتاب مرتبہ ہرمز بن کسریٰ انوشروان"[3]

---

(۱) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے معارف دسمبر ۱۹۵۷ء دجنوری لغایت مارچ ۱۹۵۸ء (۲) الفہرست لابن الندیم ص ۱۷۴ (۳) ایضاً ص ۲۰۶

۵۔ عبیداللہ بن عبداللہ الطاہر: ابن الندیم نے اس کی تصانیف میں اس موضوع پر مندرجہ ذیل کتاب کا نام لیا ہے:

"کتاب رسالۃ فی السیاسۃ الملوکیۃ"(۱)

۶۔ قدامہ بن جعفر: اپنے عہد کے فصیح و بلیغ ادیبوں اور فاضل فلسفیوں میں سے تھا۔ عربی ادب کی تاریخ میں وہ اپنی کتاب "نقد الشعر" اور "کتاب الخراج" کے لیے مشہور ہے مگر اس نے فن جہانبانی کے موضوع پر بھی مندرجہ ذیل کتاب لکھی تھی

"کتاب السیاسۃ"(۲)

۷۔ علی بن عیسیٰ بن داؤد بن الجراح: تین مرتبہ مقتدر باللہ (۲۹۵۔۳۲۰) کی وزارت پر فائز ہوا اس لیے کتابی معلومات کے علاوہ فن جہانبانی کا عملی تجربہ بھی رکھتا تھا۔ اس کی تصانیف میں اس موضوع پر حسب ذیل کتاب کا نام ملتا ہے

"کتاب الکُتّاب و سیاسۃ المملکۃ و سیرۃ الخلفاء"(۳)

۸۔ ابوعبداللہ احمد بن محمد نصر الجیہانی: ماوراء النہر و خراسان کے سامانی حکمرانوں کا وزیر تھا۔ اور اس حیثیت سے عملاً واقف تھا۔ ابن الندیم نے اس کی تصنیف میں اس موضوع پر دو کتابیں بتائی ہیں:

"کتاب آئین مقالات"

"کتاب الزیادات فی کتاب آئین مقالات"(۴)

درباری فلاسفہ

۱۔ ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی: اپنے علم و فضل کی شہرت کی بنا پر کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ سلیمان بن حسان ابن الجلجل نے "طبقات الاطباء والحکماء" میں لکھا ہے

کَانَ عَالِماً بالطب والفلسفۃ ۔ ۔ ۔ ولم یکن فی الاسلام فیلسوف غیرہ اقتدیٰ فی توالیفہ حذو ارسطاطالیس۔

چنانچہ گولڈزیہر بھی کہتا ہے

"الکندی (۲۶۰ھ وفات) ایسے عربی فلسفہ کے نام سے مشہور ہے جس نے اس دائرے میں ارسطا طلیسیت

---

(۱) الفہرست لابن الندیم، ص ۱۷۰ (۲) ایضاً ص ۱۸۸ (۳) ایضاً ص ۱۸۶ (۴) ایضاً ص ۱۹۸

(۵) طبقات الاطباء والحکماء لابن الجلجل ص ۳

کے راستہ میں سب سے پہلا قدم اٹھایا"۔[1]

ابومحشر بلخی نے "کتاب المذاکرات" میں لکھا ہے کہ عہد اسلام میں حذاق مترجمین چار ہوئے ہیں جن میں سے ایک یعقوب بن اسحاق الکندی تھا۔[2] کارڈانو کہتا ہے کہ دنیا نے آج تک جن بارہ عبقریوں کو جنم دیا ہے ان میں ایک الکندی بھی تھا۔[3] ابن جلجل لکھتا ہے کہ وہ ایک کثیر التصانیف مصنف تھا

وله تواليف كثيرة فى فنون العلم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و مترجم من كتب الفلسفه الكثيرة

ابن الندیم نے اور اس سے نقل کر کے ابن القفطی اور ابن ابی اصیبعہ نے اس کی تصانیف کی فہرست کئی صفحوں میں دی ہے۔ ان میں فن سیاست پر مندرجہ ذیل کتابوں کا نام بتایا ہے

"رسالۃ الکبریٰ فی السیاسۃ"

"رسالہ فی سیاسۃ العامہ"[5]

۲۔ احمد بن الطیب السرخسی: کندی کا شاگرد اور خلیفہ معتضد باللہ عباسی کا استاد اور ندیم تھا اور آخر میں معتضد ہی کے حکم سے ۲۸۶ھ میں قتل ہوا۔ (سرخسی کا ذکر اوپر آ چکا ہے) ابن الندیم نے اس کی مصنفات میں فن سیاست پر حسب ذیل کتاب کا نام لیا ہے

"کتاب السیاسۃ"[6]

۳۔ ابو زید احمد بن سہل البلخی: کندی اور سرخسی کا شاگرد تھا۔ ابن الندیم اس کے فضل و کمال کے بارے میں لکھتا ہے:

كَانَ فَاضِلاً فى سائر العلوم القديمه والحديثه تلا فى تصنيفاتِهِ وتاليفاتِهِ طريقة الفلاسفة ۔

اس نے فلسفہ و طبیعیات وغیرہ کے علاوہ فن سیاست پر بھی دو کتابیں لکھی تھیں

"کتاب السیاسۃ الکبیر"

"کتاب السیاسۃ الصغیر"[7]

۴۔ ثابت بن قرہ: مترجمین اہل اسلام میں خصوصی شہرت رکھتا ہے۔ ابن ابی اصیبعہ نے فن سیاست پر

---

(۱) طبقات الاطباء جلد اول، ص ۲۰۷ (۲) تراث العرب العلمی فی الریاضیات والفلک۔ حافظ قدری طوقان ص ۱۲۷ (۳) طبقات الاطباء والحکماء لابن الجلجل ص ۷۳ (۴) طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد اول ص ۲۱۲ (س ۲۰) (۵) الفہرست لابن الندیم، ص ۲۱۳ (۶) ایضاً ص ۱۹۸ (۷) ایضاً ص ۱۹۸ (س ۱۲-۱۷)

اس کی دو کتابوں کے نام بتائے ہیں

"کتاب السیاستہ الافلاطون" (ممکن ہے افلاطون کی (REPUBLIC) کا آزاد ترجمہ ہو۔

"کلام فی السیاستہ[1]"

۵۔ سِنان بن ثابت بن قرہ الحرانی: مسعودی نے "مروج الذہب ومعادن الجوہر" میں لکھا ہے کہ اس نے طبقہ کتاب میں سے کسی دوست کو خط لکھا تھا جس میں افلاطون کی "کتاب السیاستہ" کے کچھ اقتباسات بھی نقل کیے تھے۔ مسعودی کے لفظ حسب ذیل ہیں:

وذکرلمعًا من السیاسة المدنیه مما ذکرہ افلاطون فی کتابه فی السیاسة المدنیه و هی عشر مقالات و لمعًا مما یجب علی الملوک والوزراء"

مروج الذہب (برحاشیہ کامل ابن کثیر جلد اول صفحہ ۱۴)

۶۔ قسطا بن لوقا۔ حسب تصریح ابن الندیم فضل و کمال میں حنین بن اسحاق کے مانند تھا۔ اس کی سیاسی تصانیف میں ایک کتاب مشہور ہے:

"کتاب السیاستہ" (ثلاث مقالات)

۷۔ ابوالحسن مسعودی: چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی مسیحی) کا مشہور مؤرخ و جغرافیہ نویس۔ فارابی کا معاصر اور کثیر التصانیف مصنف تھا۔ اس نے بھی سیاسیات کے موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام وہ "کتاب رؤس السبعہ فی السیاستہ الملوکیہ" بتاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے "کتاب الزلف" میں بھی بعض سیاسی مباحث پر بحث کی تھی مثلاً سربراہ مملکت کے اوصاف۔ چنانچہ مروج الذہب میں کہتا ہے:

قال المسعودی وقد ذکرنا فی کتاب الزلف الخصال التی یستحق بها الملك من وجدت فیه وما ذکرنا عن حکماء الفرس واسلافها فی ذالك وغیرها من حکماء الیونانیین کافلاطون و ماذکرہ فی کتاب السیاسة المدنیه وغیرہ ممن تاخر عن عصرہ

مروج الذہب برحاشیہ کامل ابن الاثیر جلد ثانی صفحہ ۱۲۵/۱۲۶

یونانی "فلسفۂ سیاسیات" کے باب میں اسلامی ثقافت عموماً افلاطون ہی سے واقف تھی۔ اس

---

(۱) طبقات الاطباء، جلد اول ص ۲۲۰ (س ۲۴ و ۲۲) (۲) الفہرست لابن الندیم ص ۱۰ (۳) اخبار العلماء باخبار الحکماء، ص ۲۶۲ (س ۱۰)

موضوع پر اس کی تین کتابیں مشہور ہیں :

1- REPUBLIC کتاب السیاسۃ

2- THE LAWS کتاب النوامیس

3- THE STATEMAN

لیکن اسلامی ادب میں صرف پہلے دو کا تذکرہ ملتا ہے STATEMAN کا قطعاً نہیں۔

کتاب السیاسۃ کا عربی مترجم معلوم نہیں البتہ اس کی تفسیر حنین بن اسحاق نے کی تھی۔[1] ثابت بن قرہ نے بھی اس کا اختصار لکھا تھا (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا)۔

کتاب النوامیس THE LAWS کو بھی حنین نے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔[2] بعد میں فارابی کے شاگرد یحییٰ بن عدی نے بھی اس کا ترجمہ کیا۔[3] وہ اس کا نام "کتاب فلاطن الی اقرطن فی النوامیس" بتاتا ہے۔[4]

عہد حاضر میں سیاسیات کے ادب عالیہ کے مابین ارسطو کی تصانیف کو خصوصی اہمیت حاصل ہے لیکن متقدمین اسلامی فلاسفہ کے یہاں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ابن الندیم منطق، طبعیات اور الٰہیات، سبھی فنون میں تو اس کا ذکر کرتا ہے مگر نہیں کرتا تو سیاسی تصانیف کا۔ صرف اس کے ان خطوط کا ابوالعلاء کاتب ہشام اموی کے تذکرہ میں ذکر ملتا ہے جو اس نے سکندر کو لکھے تھے۔ غالباً اس کے سیاسی شاہکار بالخصوص اس کی کتاب السیاسۃ (ON THE CONSTITUTION OF ATHENS (POLITICS چوتھی صدی ہجری تک غیر معروف تھے۔ بعد میں مسلمان اہل علم کو ارسطو کی تصانیف کی مکمل فہرست مل گئی۔ جسے ایک شخص بطلیموس نامی نے اغلس کو لکھ کر بھیجا تھا۔ اس فہرست کا اصل یونانی الفاظ کے ساتھ ابن القفطی نے عربی میں ترجمہ دیا ہے۔[5] اس کے مطابق ارسطو کی سیاسی تصانیف حسب ذیل تھیں :

"کتابہ الذی اختصر فیہ قول افلاطون فی تدبیر المدن ویسمی افلاطونس فولیطس" (مقالتان)[6] (PLATO'S POLITY)۔

"کتابہ فی تدبیر المدن ویسمی فولیطیقون" (ثمان مقالات)[7] (POLITICS)

"کتابہ الذی اسمہ سیاسۃ المدن ویسمی بولیطیا (POLITY) وہو کتاب ذکر فیہ سیاسۃ امم و

---

(۱) الفہرست لابن الندیم ص ۳۴۳ (۲) ایضاً ص ۳۴۲ (۳) ایضاً ص ۳۴۴ (۴) ایضاً ص ۳۴۴ س ۱۴-۱۵

(۵) اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۲۲ (۶) ایضاً ص ۲۲ (۷) ایضاً ص ۲۳

مدن کثیرہ من مدن الیونانیین وغیرہا ونسبہا وعدد الامم : المدن التی ذکرہا مائۃ واحدی وسبعون"[۱]

(ارسطو کی وہ کتاب جس کا نام "سیاسۃ المدن" ہے اور جو یونانی زبان میں "بولیطیا" (POLITY) کے نام سے موسوم ہے اس کتاب میں اس نے بہت سی اقوام کی سیاست نیز یونان اور یونان کے علاوہ دوسرے ممالک کے شہروں کے دساتیر نقل کیے ہیں اور جن قوموں اور شہروں کا اس نے اس میں ذکر کیا ہے ان کی تعداد ایک سو اکہتر[۱] ہے)۔

غالباً مؤخر الذکر ہی کا ایک جزء (ON THE CONSTITUTION OF ATHENS) ہے جس کی یونانی اصل ۱۸۹۰ء میں دریافت ہوئی تھی[۲]۔

لیکن فارابی کے زمانہ تک ان میں سے کوئی کتاب مشہور نہیں تھی۔ صرف اصول جہانبانی پر اس کے خطوط کا مجموعہ جو اس نے سکندر کو لکھے تھے، عربی میں ترجمہ ہوا تھا (تفصیل اوپر گذر چکی ہے)۔

ارسطو کی ایک کتاب بنام "کتاب السیاسۃ" جس کا ترجمہ یوحنا بن البطریق نے کیا تھا اور جو سلطان مسعود بن مودود کے شاہی کتب خانہ کے واسطے لکھا گیا تھا شہر موصل میں جامع پاشا کے مدرسہ کی لائبریری میں موجود ہے[۳]۔ اس کتاب میں دس مقالے ہیں۔ پہلا مقالہ حکمرانوں کی قسموں پر (فی اصناف الملوک) اور دوسرا مملکت کی ماہیت وغیرہ پر (فی حال الملک وصفتہ وہیئتہ وکیف یکون ماخذہ فی خاصۃ نفسہ فی جمیع امورہ) باقی سات مقالے اصول حکمرانی پر ہیں۔ لیکن آخری مقالہ نجوم و طلسمات وغیرہ پر ہے اور اس کی وجہ سے اس شبہ کو تقویت پہنچتی ہے کہ یہ ارسطو جیسے حقیقت پسند فلسفی کی تصنیف نہیں ہے بلکہ نو فلاطونی عہد کے آخری زمانہ کی کاوش ہے جب کہ نجوم اور اس قسم کے دوسرے ڈھکوسلے یونانی فکر پر غالب ہو چکے تھے۔

بہرکیف فارابی کے زمانہ تک ارسطاطالیسی سیاسیات غیر معروف تھیں۔

اسکندریہ کے مدرسہ فلسفہ کے مشائی معلمین

ان فلاسفہ کی تاریخ اندرونیقوس (ANDRONICUS) کے زمانہ سے فارابی کے اساتذہ کے عہد تک مجہول ہے نہ فارابی کے اساتذہ اور پیشرووں کی سیاسی تصانیف کا تاریخ میں ذکر ملتا ہے۔ اس سلسلہ کا پہلا مفکر فارابی ہے جس کی سیاسی تالیفات کے نام تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔

---

(۱) اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۳۶

THILLY : HISTORY OF PHILOSOPHY P. 69

دیکھیے فہرست مخطوطات موصل ص ۵۵ (مدرسہ جامع پاشا کے کتب خانہ میں اس کتاب کا نمبر ۱۲۴ کتب شتی ہے)

غالباً اس مدرسہ کی لائبریری میں معلمین سابقین (افلاطون وارسطو) کی تصانیف بھی ہوں گی۔ یونان کی سیاسی عظمت کے ماند ہو جانے کے بعد اس کی سیاسی تفکیر میں کوئی دل کشی تو نہیں رہ گئی تھی پھر بھی قدماء کی سیاسی تصانیف پڑھنے پڑھانے کا رسمی طور پر ہی دستور ضرور ہوگا۔ اس لیے ممکن ہے بعد کے معلمین کے ان پر حواشی و تعلیقات بھی ہوں۔

اس سلسلے میں ایک چیز قابلِ غور ہے۔ تیسری صدی مسیحی میں افلاطونی تعلیمات کے اندر ایک انقلابی تجدید ہوئی تھی۔ افلاطونی فکر کا اصل الاصول صور مجردہ (IDEAS) کا نظریہ تھا۔ اس کے مقابلے میں نو افلاطونی تفکیر کی اساس "انبثاق" (یا صدور کائنات) (EMANATION) کے نظریہ پر مستحکم ہوئی تھی۔ دیگر تصوریتی (IDEALIST) نظاموں کی طرح افلاطونی اور نو افلاطونی نظامِ فکر بھی انتخراجی ہیں۔ یعنی اپنی جملہ تعلیمات کو چند اصولی نظریات سے مستخرج کرتے ہیں۔ لہٰذا افلاطون کے مقابلے میں جو اپنی سیاسی تفکیر کو بھی نظریہ اعیان مجردہ پر مبنی کرتا تھا، نو افلاطونی مجددین نے اس سیاسی تعلیم کو نظریہ انبثاق سے مستخرج کرنے کی کوشش کی۔ لیکن تاریخ فکر انسانی کا یہ بڑا دردناک المیہ ہے کہ ہم اس مفکر یا مفکرین کے نام سے واقف نہیں ہیں جنھوں نے سیاسی تفکیر میں اس انقلابی تجدید کے فرائض انجام دیئے۔

ہر حال اس سلسلے میں فارابی پہلا شخص ہے جس کے یہاں اس انقلابی تجدید کی تفصیلات ملتی ہیں۔ اگرچہ اس کی بھی تمام سیاسی تصانیف موجود نہیں ہیں تاہم جو تفصیلات بھی ملتی ہیں ان سے مدرسۂ اسکندریہ کے مشائی معلمین کی (جن کا آخری نمائندہ فارابی تھا) ان تجدیدی مساعی کا اندازہ ہو سکے گا اور اسی حیثیت سے فارابی یا اس کی سیاسی تصانیف فلسفہ سیاسیات (کے وسیع معنوں) کے اندر اپنی مخصوص اہمیت رکھتے ہیں۔

اس چیز کی وضاحت کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے افلاطون کے فلسفۂ سیاسیات کا ایک مختصر خاکہ بیان کر دیا جائے۔ (باقی)